

رمضان المبارک

جمیل الرحمان عباسی

موضوعات

فہرست

رمضان کا آخری عشرہ کیسے گزاریں؟

نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کی بہت ساری فضیلتیں بیان کیں اور دوسری طرف آپ نے ان لوگوں کے خلاف بد دعا فرمائی کہ جو رمضان میں اپنی مغفرت کا سامان نہ کر سکے۔ان ترغیبات و ترہیبات کے زیر اثر مسلمان ابتدائے رمضان میں کچھ متحرک ہوتے ہیں اور رمضان کے ابتدائی دن اچھے گزرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ اس ذوق و شوق میں کمی آتی ہے اور انتہائے رمضان کو بعض دفعہ قیمتی بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔یہ بھی درست ہے کہ انسان کو کچھ تھکاوٹ لاحق ہو جاتی ہے اور کچھ عید کی تیاری کی مصروفیات بھی انسان کو الجھا دیتی ہیں چنانچہ ضرورت ہے کہ خود اپنی اور دوسروں کی تذکیر کے لیے، کچھ امور سنت رسول ﷺ میں سے ذکر کیے جائیں۔اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ آخری عشرہ داخل ہوتے ہی اپنی عبادات کو بڑھا دیتے تھے۔سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مَا لاَ يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ (صحیح مسلم)

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اتنی (زیادہ) محنت و ریاضت کرتے تھے کہ جتنی اس کے علاوہ دوسرے دنوں میں نہیں کیا کرتے تھے''۔ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرے کی راتوں میں بالکل نہیں سوتے تھے،سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَا اللَّيْلَ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ(صحیح مسلم)

''جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی راتوں کو زندہ رکھتے،اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے، خوب محنت کرتے اور اپنا ازار مضبوطی سے باندھ لیتے''۔امام نَوَوِیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:''راتوں کو زندہ رکھنے سے مراد پوری رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ہے اور نیند کیے بغیر پوری رات کے قیام کی جو کراہت ہمارے اصحابِ (فقہاء) سے منقول ہے اور اس طرز کو معمول بنانے کی صورت میں ہے،ایک، دو یا دس راتوں کا مکمل قیام اس ذیل میں نہیں آتا۔اسی لیے ہمارے فقہاء نے عید کی راتوں کے مکمل قیام و عبادات کو مستحب قرار دیا ہے۔نبی اکرم ﷺ آخری عشرے اپنی عادت مبارکہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے اور اہل خانہ کو بھی عبادت کے لیے جگاتے تھے۔پس آپ کے اس طرز عمل سے آخری عشرے میں عادت سے زیادہ عبادت کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ازار مضبوطی سے باندھنے کے بارے میں علماء کی دو آراء ہیں پہلی یہ ہے اس سے مراد عبادت کے لیے کمر ہمت کس لینا ہے اور دوسری یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے بیویوں سے الگ رہنے کا یعنی آپ ﷺ آخری عشرے میں ازواج مطہراتؓ سے الگ رہا کرتے تھے''(المنہاج شرح مسلم)۔نبی اکرم ﷺ آخری عشرے میں عبادت کا اتنا شدت سے اہتمام فرماتے کہ سب گھر والوں کو رات جگایا کرتے تھے،زینب بنت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا بَقِيَ مِنَ الشَّهْرِ عَشَرَةُ أَيَّامٍ لَمْ يَذَرْ أَحَدًا مِنْ أَهْلِهِ يُطِيقُ الْقِيَامَ إِلَّا أَقَامَهُ

''جب رمضان کے دس دن رہ جاتے تب نبی اکرم ﷺ اپنے اہل خانہ میں سے عبادت کر سکنے والے کسی کو بھی سوتا نہ چھوڑتے بلکہ عبادت کے لیے اٹھا دیتے تھے(مختصر قيام الليل وقيام رمضان لمحمد بن نصر المَرْوَزِي)۔ سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَكُلَّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ يُطِيقُ الصَّلَاةَ (مسند أَبِي يَعْلَى وقال الهيثمي إِسْنَادُه حَسَنٌ)

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے کی راتوں میں اپنے گھر میں نماز پڑھنے کے قابل چھوٹے بڑے تمام لوگوں کا جگایا کرتے تھے''۔

اعتکاف

آخری عشرے کی فضیلت حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ اعتکاف بھی ہے۔اعتکاف کی مشروعیت کے بعد، باوجود یہ کہ نبی کریم ﷺ

کو جنگ و جدال کا اکثر سامنا رہا آپ ﷺ ہر سال رمضان میں اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ رفیق اعلی سے جا ملے، سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ :

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ (صحيح البخاري)

''رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے''۔ ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ (صحيح البخاري)

''نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا''۔ سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ :

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَفْعَلُ ذَلِكَ حَتَّى تَوَفَّاهُ الْمَوْتُ ﷺ (مسند أحمد)

''بے شک نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنی وفات تک لگاتار (یعنی ہر رمضان میں) اعتکاف فرماتے رہے''۔ امام ترمذی اپنی سنن میں سیدہ عائشہؓ اور ابوہریرہؓ سے مندرجہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ابی ابن کعبؓ، ابولیلیٰؓ، ابوسعید الخدریؓ، انس بن مالکؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی روایات مذکور ہیں۔ بسااوقات جہاد یا کسی دوسرے شرعی سفر کی وجہ سے اگر آپ ﷺ اعتکاف نہ کر سکے تو آپ نے دوسرے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا: ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ :

كان يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، فَسَافَرَ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا(ابن ماجه)

''نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال سفر کی وجہ سے آپ ﷺ اعتکاف نہ فرما سکے تو اگلے سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا''۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی وجہ سے آپ ﷺ کو اعتکاف ختم کرنا پڑ گیا تو آپ نے شوال کے دس اور بعض روایات کے مطابق آخری دس دنوں کا اعتکاف فرمایا:

فَلَمْ يَعْتَكِفْ فِي رَمَضَانَ حَتَّى اعْتَكَفَ فِي آخِرِ الْعَشْرِ مِنْ شَوَّالٍ (صحيح البخاري)

''پس آپ نے رمضان میں اعتکاف (مکمل) نہیں کیا تو پھر شوال کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا''۔ حیات دنیوی کے آخری سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا جیسا کہ سیدنا ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں :

يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَان عَشَرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ العَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا(صحیح بخاری)

''نبی اکرم ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کو دنیا سے اٹھایا گیا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا''۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی تفصیلی روایت آگے نقل کی جا رہی ہے لیکن مسند الطیالسی میں مختصراً، ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے:

اعْتَكَفْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (مسند الطيالسي)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا''۔

اعتکاف کا اجر و ثواب

نبی اکرم ﷺ نے اعتکاف کا خصوصی اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ، جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ كُلُّ خَنْدَقٍ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ (المعجم الأوسط و قال الهيثمي إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ)

''جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایک دن بھی اعتکاف کیا تو اللہ تعالی اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ فرما دے گا اور ہر خندق اتنی چوڑی ہو گی جتنا دونوں افقوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے''۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے معتکف کے بارے میں فرمایا:

هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ، وَيُجْرَى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا(ابن ماجه)

''(اعتکاف میں رہنے کی وجہ سے) معتکف گناہوں سے بچا رہتا ہے اور (خارجی) نیکیوں میں سے اسے نیکیاں کرنے والے کے برابر اجر دیا جاتا ہے''، امام ابن قیمؒ زاد المعاد میں اعتکاف کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اصلاح قلب اور سیر الی اللہ کی راہ پر استقامت اللہ تعالیٰ کی طرف دل جمعی عطا کیے جانے پر موقوف ہے۔ اگر دل کی دنیا پراگندہ ہو تو اللہ سے لو لگانا، ناممکن ہے۔ چونکہ کھانے پینے، لوگوں سے میل ملاپ، سونے اور بات چیت میں زیادتی سے دل کی پراگندگی میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور انسان تقرب الی اللہ کی منزل سے بھٹک کر ادھر اُدھر کی وادیوں میں سرگرداں رہتا ہے یا پھر کم از کم اس راہ میں سست روی، پسپائی اور کم ہمتی تو پیدا ہو ہی جاتی ہے اس لیے عزیز و رحیم کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ بندوں پر روزہ مشروع فرمائے جس سے کھانے پینے کی زیادتی جاتی رہے اور دل اختلاطِ شہوات سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر چل پڑے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کو بھی مشروع قرار دیا ہے جس کا مقصد اور جس کی روح اللہ تعالیٰ پر دل کا ٹھہر جانا، اس کے احکام پر دلجمعی، اس کے لیے خلوت نشینی اور مخلوق کے ساتھ مشغولیت سے کٹ کر صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مصروف ہو جانا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا ذکر، اس کی محبت اور اس کا اقبال بندے کے دل میں اس کے فکر و غم کی جگہ لے لے۔ اس کے تمام فکر اور تمام خطرات اللہ کے ذکر سے وابستہ ہو جائیں، اس کی تمام فکریں اللہ کی رضا جوئی اور اسکے تقرب کے حصول کے لیے ہوں، اس کی نسبت مخلوق کی بجائے صرف اللہ کے ساتھ ہو جائے اور یہ انسیت اس کو قبر کی وحشت کے دن کام آئے، اس وقت جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مونس نہ ہو اور اس کے سوا کسی سے اس کو فرحت و خوشی نہ ملتی ہو۔ یہ ہے اعتکاف کا عظیم مقصود ہے''۔

لیلۃ القدر کا حصول

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جن خاص عنایتوں سے نوازا ہے ان میں ایک لیلۃ القدر کی عبادات کی مشروعیت بھی ہے۔ امام مالکؒ موطا میں بعض قابل اعتماد اہل علم سے بیان کرتے ہیں:

أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهُ، أَوْ مَا شَاءَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ، فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ أَنْ لاَ يَبْلُغُوا مِنَ الْعَمَلِ، مِثْلَ الَّذِي بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِي طُولِ الْعُمْرِ، فَأَعْطَاهُ اللَّهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ(موطا إمام مالك)

''رسول اللہ ﷺ کو سابقہ لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کی مختصر عمروں کا دھیان کیا، چنانچہ خیال آیا کہ آپ کی امت اپنی عمر کی قلت اور دوسروں کے طول کے سبب نیکیوں میں پیچھے رہ جائے گی اس پر آپ کو لیلۃ القدر عطا کی گئی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔ اعتکاف کا خاص عمل شبِ قدر کو پانا بھی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ایک بار تلاش لیلۃ القدر میں پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا اور طائفہ صحابہؓ نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔ سیدنا ابو سعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں:

اعْتَكَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشْرَ الأُوَلِ مِنْ رَمَضَانَ، وَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ إِنَّ الَّذِى تَطْلُبُ أَمَامَكَ. فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الأَوْسَطَ، فَاعْتَكَفْنَا مَعَهُ، (فَلَمَّا كَانَ صَبِيحَةَ عِشْرِينَ نَقَلْنَا مَتَاعَنَا) فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ إِنَّ الَّذِى تَطْلُبُ أَمَامَكَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا صَبِيحَةَ عِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلْيَرْجِعْ فَإِنِّى أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَإِنِّى نُسِّيتُهَا وقال فَرَجَعَ النَّاسُ إِلَى الْمَسْجِدِ(صحيح البخاري)

''رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا پھر جبریل آئے اور آپ کو خبر دی کہ جس رات کو آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ تو آگے ہے، پھر آپ نے درمیانی عشرے میں بھی اعتکاف کو جاری رکھا، تو ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں رہے۔ (پس جب بیسویں روزے کی صبح ہو گئی تو ہم نے اپنے سامان مسجد سے منتقل کرنے شروع کر دیے) کہ جبریل آپ ﷺ کے پاس آئے اور خبر دی کہ

آپ جس رات کے متلاشی ہیں وہ آگے ہے۔ پس آپ ﷺ نے بیسویں روزے کی صبح خطاب کیا اور فرمایا جس نے اللہ کے نبی (ﷺ) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ واپس آ جائے مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی لیکن پھر اللہ کی طرف سے بھلا دی گئی، پس لوگ (آخری عشرے کے اعتکاف کے لیے) مسجد لوٹ آئے۔

نبی اکرم ﷺ آخری عشرے میں لیلۃالقدر کی تلاش کا حکم دیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُجَاوِرُ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُولُ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ القَدْرِ فِي العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (بخاري)

"رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے لیلۃالقدر کو رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کیا کرو"۔ ایک روایت میں فرمایا:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْبَوَاقِي مَنْ قَامَهُنَّ ابْتِغَاءَ حِسْبَتِهِنَّ، فَإِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَا تَأَخَّرَ (مسند أحمد)

"لیلۃالقدر آخری دس راتوں میں ہے جو ان راتوں کا قیام کرے گا ثواب اور نجات کی خالص نیت کے ساتھ تو اللہ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا"۔ غور کیجیے نبی اکرم ﷺ نے لیلۃالقدر کی عبادت کا حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے لیلۃالقدر کی تلاش میں آخری عشرے کی راتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے اور لیلۃالقدر کی رات کی عبادت کا حکم کیسے دیا جا سکتا تھا جبکہ وہ رات کسی کو، معین طور سے معلوم ہی نہیں تھی لہذا نبی اکرم ﷺ نے یہاں آخری دس راتوں میں تلاشِ شبِ قدر کا حکم دیا ہے اور آخری دس راتوں میں طاق اور جفت دونوں راتیں شامل ہیں۔ گویا منشائے قول نبی ﷺ یہ ہے کہ جفت طاق کی بحث سے قطع نظر پورے عشرے کی عبادت کی جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری دس راتوں میں عبادت کا حکم دیا، آپ خود بھی ان دس راتوں میں عبادت کا زیادہ اہتمام کرتے تھے، اہل خانہ کو بھی جگایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام اور اسلافِ امت کا معمول بھی یہی تھا کہ آخری عشرے میں بطور خاص اللہ کی عبادت میں مجاہدہ کرتے تھے۔

بعض روایات میں آخری عشرے کی طاق راتوں کا ذکر بھی فرمایا گیا:

تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ(بخاري)

"لیلۃالقدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو"۔ بعض روایات میں آخری عشرے کی مختلف راتوں کا نام لے کر ان میں لیلۃالقدر کی تلاش کا حکم دیا گیا لیکن وہ بر سبیل تنزل یا کمزور حضرات کے لحاظ پر مبنی ہے اور منشاء نبوی ﷺ بہر حال یہی معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص راتوں کے بجائے پورے عشرے کی عبادت بجالائی جائے۔ یہ نکتہ امام ملا علی القاریؒ نے شرح مشکاۃ میں بیان کیا ہے: "پھر یہ بھی جان لو کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک طرف تو یہ بتایا کہ لیلۃالقدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرو اور دوسری طرف آپ نے آخری دس راتوں کے قیام کی ترغیب بھی دلائی تو دس راتوں کی عبادت کی تاکید ان لوگوں کے لیے ہے جن میں عبادت کی قوت موجود ہے اور سات راتوں کا ذکر ان کے لیے کیا جو دس دنوں کی عبادت کی طاقت نہیں رکھتے"۔ یہ لکھنے کے بعد علامہؒ نے درج ذیل حدیث پیش فرمائی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ يَعْنِي لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَإِنْ ضَعُفَ أَحَدُكُمْ أَوْ عَجَزَ فَلاَ يُغْلَبَنَّ عَلَى السَّبْعِ الْبَوَاقِي (مسلم)

"لیلۃالقدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو اور اگر تم میں سے کوئی اس سے بھی کمزور ہو یا عاجز ہو تو وہ آخری سات راتوں میں تو سستی نہ کرے"۔ لیلۃالقدر کے تلاش کرنے کا مطلب ان راتوں کو قیام، تلاوت، ذکر و اذکار اور دعا و مناجات اور درس و تدریس سے زندہ رکھنا ہے۔ مختلف روایات اور اندازوں کے باوجود یہ بات طے ہے کہ متعین طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سی رات لیلۃالقدر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پوشیدہ ہی رکھنا

چاہتے تھے اسی لیے جب ابتدا میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتانا چاہا تو اللہ تعالی نے آپ کو وہ رات بھلا ہی دی:

إِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ،وَإِنِّي نُسِّيتُهَا خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَة (رَوَاهُ الْبُخَارِي)

"بے شک مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی اور پھر مجھے بھلا بھی دی گئی، میں تو نکلا تھا کہ تمھیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتادوں کہ اتنے میں فلاں اور فلاں لڑ پڑے پس اس کا علم اٹھالیا گیا، امید ہے کہ یہی تمھارے لیے بہتر ہوگا"۔ ایک بار سیدنا ابو ذرؓ نے لیلۃ القدر کے بارے میں متعدد سوالات کیے ان کے انداز سے لگتا ایسا ہے کہ شاید وہ اس کا تعین چاہتے تھے۔ لیکن آخر کار رسول اللہ ﷺ فرمادیا:

لَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا (مسند أحمد)

"اس کے بعد مجھ سے کسی چیز کا نہ پوچھنا۔ مراد یہ تھا کہ اس رات کے بارے میں نہ پوچھنا"۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اہل علم نے ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر قرار دیا ہے لیکن بہر حال یہ حتمی نہیں ہے۔ عوام الناس میں یہ خیال کچھ اس طرح سے پھیل گیا ہے کہ وہ ستائیسویں شب ہی کی عبادت کرتے ہیں نہ اس سے پہلے کی راتوں کی انھیں خبر ہوتی ہے اور نہ بعد والی راتوں کا ہوش! لیکن احادیث میں دیکھیں تو آخری عشرے کی تمام ہی طاق راتوں پر شب قدر ہونے کا گمان گزرتا ہے، ملاحظہ کیجیے:

نبی اکرم ﷺ نے ایک بار فرمایا:

فَقَدْ أُرِيتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا، فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلَى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَى جَبْهَتِهِ أَثَرُ المَاء والطين وَالْماء مِنْ صَبِيحَةِ إِحْدَى وَعِشْرِينَ(رَوَاهُ البُخَارِي)

"پس مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی اور پھر بھلا بھی دی گئی اور میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میں لیلۃ القدر کی صبح کو پانی اور مٹی (یعنی ہلکے سے کیچڑ) میں سجدہ کر رہا ہوں، راوی حدیث سیدنا ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں: پس رات کو بارش ہوئی اور مسجد کی چھت گھاس پھونس کی تھی اور بہہ نکلی تو میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی کا نشان لگا ہے (یعنی آپ نے فجر کی نماز اسی گارے پر پڑھی) اور وہ رمضان کی اکیسویں رات کی صبح تھی"۔ یہی واقعہ سیدنا عبداللہ بن اُنیسؓ نے بیان کیا ہے لیکن وہ رات تیئسویں بتاتے ہیں:

فَمُطِرْنَا لَيْلَةَ ثَلاَثٍ وَعِشْرِينَ فَصَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِﷺ فَانْصَرَفَ وَإِنَّ أَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّينِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ(رواه مسلم)

"پس آپ کے اس خواب کے مطابق ہم پر بارش برسائی گئی اور وہ تئیسویں رات تھی پس رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب آپ فارغ ہوئے تو پانی اور مٹی کے نشان آپ ﷺ کی پیشانی اور ناک مبارک پر نظر آرہے تھے"۔ سیدنا ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ فرماتے سنا:

الْتَمِسُوهَا يَعْنَى لَيْلَةَ الْقدر فِي تسع بَقِينَ أَو فِي سبع بَقِينَ أَو فِي خمس بَقِينَ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ(رواه الترمذي)

"لیلۃ القدر کو تلاش کرو اکیسویں رات اور تیئسویں رات کو اور پچیسویں رات کو اور ستائیسویں رات کو اور آخری رات کو"، اس روایت میں رمضان کی آخری رات کے لیلۃ القدر ہونے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے، بات زیادہ مشہور نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں: "امام طیبیؒ نے لکھا ہے کہ آخری رات میں رمضان کی انتیسویں کا بھی احتمال ہے اور خاتمہ رمضان کی رات کا بھی یعنی تیسویں کا، لیکن ہم پہلی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ آخری رات سے مراد بھی انتیسویں ہی ہے کیونکہ وہ طاق رات ہے اور لیلۃ القدر کے طاق ہونے کے بارے میں دوسری روایات بھی ہیں اور انتیسویں شب کے لیے آخری کا لفظ، اس لیے لایا گیا کہ کبھی ماہ رمضان انیتس دن کا ہوتا ہے تو انتیسویں ہی آخری بھی ہوتی ہے"۔ ان دو روایات میں آخری عشرے کی تمام راتوں، شب قدر کے حوالے سے ذکر کر دیا گیا لہذا کسی ایک رات کو متعین طور پر لیلۃ القدر سمجھ کر خاص اسی کی عبادت کرنا مناسب امر نہیں

ہے۔ صحابہ کرامؓ اور بعض علماءؒ نے کچھ راتوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے تو یہ ان کے اندازے تھے جو انھوں نے روایات کی ترجیح و تطبیق کے نتیجے میں قائم کیے تھے۔

اس اخفاء کی حکمت کے بارے میں حضرت مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: ”علماء کے قول کے مطابق لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ عبادت میں خوب محنت کر سکیں اور اگر اس کا تعین کر دیا جاتا تو لوگ صرف اسی کی عبادت پر اکتفا کرتے“ (مرقاۃ)۔ امام ابن جوزیؒ زاد المسیر میں فرماتے ہیں: ”اس رات کے اخفاء میں حکمت یہ ہے بندے لیلۃ القدر کے شوق میں رمضان کی تمام ہی راتوں کی عبادت کریں“، یہی وجہ ہے عبد اللہ ابن مسعودؓ لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھے جانے پر فرماتے تھے کہ جو پورا سال قیام کرے گا وہ اسے پائے گا“۔ آپؓ کے اس فرمان کے بارے میں اُبی ابن کعبؓ سے سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ”اللہ ابو عبد الرحمن ابن مسعودؓ پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ جانتے تھے کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے لیکن وہ یہ جواب اس لیے دیا کرتے تھے کہ لوگ عبادت میں کوتاہی نہ کریں“ (مسند احمد)۔ شریعت کا مزاج یہ ہے کہ بندوں کو عبادت میں راسخ کیا جائے جو ان کی وجہ تخلیق بھی ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں عام دنوں میں بھی قیام کرنے اور نفل نماز ادا کرنے کی ترغیب بے شمار نصوص میں دی گئی ہے۔:

﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ (الفرقان:64) اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں اور (کبھی) قیام میں۔

﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ (السجدة: 16) اُن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں۔

﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴾ (الذاريات: 17) وہ رات کے وقت کم سوتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے بے شمار مقامات پر قیام باللیل کی ترغیب دی مثلاً ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”رات کے وقت نماز پڑھو جبکہ لوگ سو رہے ہوں“۔ اس پر اضافہ یہ کیا گیا کہ رمضان کے مہینے میں خصوصی طور پر قیام کی تاکید و ترغیب دلائی گئی، چنانچہ بخاری شریف میں روایت نقل ہوئی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ””جس نے، ایمان اور اجر و ثواب کی خالص نیت کے ساتھ رمضان کی راتوں میں قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے“۔ اس پر مزید اضافہ آخری عشرے کی عبادت کے ذکر و ترغیب سے کیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور جو کوئی اس سے بھی عاجز ہو گیا ہو تو اسے یہ ترغیب دی گئی کہ طاق راتوں ہی میں عبادت کر لے جیسا کہ روایت بیان ہو چکی ہیں۔

لیلۃ القدر کی عبادت

لیلۃ القدر کو اللہ تعالی نے ہزار راتوں کے برابر قرار دیا ہے:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴾ (القدر:3)

”شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے“، حضرت مجاہدؒ اور قتادہؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اس رات میں نیک عمل یا قیام کرنا ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے“ (زاد المسیر)، گویا ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار رات کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔ اس رات کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں فرشتوں کا بکثرت نزول ہوتا ہے:

﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴾ (القدر:4)

”اُس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر کام کے لیے اُترتے ہیں“۔ نبی اکرم ﷺ لیلۃ القدر کے ذکر میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِي الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ الْحَصَى (مسند أحمد)

”اس رات میں فرشتے اتنی تعداد میں زمین پر اترتے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں ہوتی“۔ ان فرشتوں کے نزول کی وجہ سے رحمت کا نزول بھی ہوتا ہے، ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: ”اس رات میں کثیر تعداد میں فرشتے، ڈھیر ساری برکتوں کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں کیونکہ جب فرشتے نازل ہوتے ہیں تو

ان کے ساتھ رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے یہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح وہ تلاوت قرآن کے موقع پر اترے ہیں، ذکر کے حلقوں کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور طالب علم کے قدموں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں''۔ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ (شعب الایمان)

''جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبریلؑ فرشتوں کے جھرمٹ میں اترتے ہیں اور پھر ہر آدمی کے لیے جو (نماز) میں کھڑے یا (تلاوت واذکار میں) بیٹھا اللہ کو یاد کر رہا ہو اس کے لیے دعائیں مانگتے ہیں''۔ قرآن پاک میں اس رات کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے:

﴿سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾(القدر:5)

''وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک''۔ شعبیؒ بیان کرتے ہیں: ''سلام سے مراد ہے فرشتوں کا اہل مسجد وعبادت کو سلام کرنا یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے'' (ابن کثیر)۔ قرآن پاک کی مختلف آیات اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اہل ایمان کے ولی ہیں اور ان کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ پس ان کی دعائیں انسان کے روحانی ترفع کا اہم ذریعہ ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ، لیلۃ القدر کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''مسلمان لیلۃ القدر میں عبادت کرنے پر متفق ہیں کیونکہ اس رات (لیلۃ القدر) میں ایک قسم کی روحانیت پھیلی ہوتی ہے فرشتے زمین پر اترتے اور انسانوں کے نزدیک ہوتے ہیں اور ان کے انوار انسانوں پر منعکس ہوتے ہیں۔ شیاطین انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور انسانوں کی عبادات اور دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے'' (حجۃ اللہ البالغہ)۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے لیلۃ القدر کی عبادت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (بخاري)

''جس نے، ایمان اور اجر وثواب کی خالص نیت کے ساتھ لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے''۔ لیلۃ القدر کی عبادت سے محروم رہنے والے کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت فرمائی۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی آمد پر ارشاد فرمایا:

إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ، وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ، وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُومٍ(ابن ماجہ)

''بے شک یہ مہینہ تم پر سایہ فگن ہو چکا اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو اس کی عبادت سے محروم رہا وہ تو کل خیر سے محروم رہا اور اس عظیم رات کے خیر سے وہی محروم رہ سکتا ہے جو سرے سے محروم ہی ہے''۔ ملا علی القاریؒ اپنی کتاب مرقاۃ میں محروم کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ: ''سعادت اور خوش نصیبی سے اسے کوئی حصہ نہیں ملا اور یہ ذوق عبادت سے بھی محروم ہے''۔ پس یارانِ نکتہ داں کے لیے صدائے عام ہے کہ ہر ممکن کوشش اس رات کو پانے کی کرے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ پورے آخری عشرے کو زندہ رکھا جائے اور کمزور حضرات کو بھی طاق راتوں کا تو ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔

رمضان کی آخری رات کو زندہ رکھنا

عام طور پر لوگ ستائیسویں شب کی عبادت کر کے بعد والے دنوں کا خیال نہیں رکھتے حالانکہ انتیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے کا امکان تو خود احادیث میں موجود ہے۔ اس لیے اس رات کو بھی زندہ رکھنا چاہیے۔ رمضان کی آخری رات بھی مغفرت کی رات ہے: سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے صالحین (روزہ اور قیام رمضان کا اہتمام کرنے والوں) کے بارے میں فرمایا کہ: ''آخری رات اُن کی مغفرت کر دی جاتی ہے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! کیا یہ آخری رات لیلۃ القدر ہے؟ فرمایا: نہیں، (مغفرت کا سبب شب قدر ہونا نہیں ہے) بلکہ عمل کرنے والا جب اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو اسے مزدوری دی ہی جاتی ہے'' (مسند احمد)۔ رمضان کی آخری رات سے مراد آخری روزے سے پہلے گزرنے والی رات ہے۔ اگر روزے انتیس ہوئے تو یہ انتیسویں رات ہو گی جس کے لیلۃ القدر ہونے کا احتمال بھی ہے اور اگر رمضان کے روزے تیس ہوئے

تو یہ تیسویں رات ہو گی جو شب قدر ہو یا نہ ہو شب مغفرت واجر ضرور ہے۔ لہذا اس رات کو بھی عبادت سے زندہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ مصروف عبادت رہنا اللہ کی مغفرت کو زیادہ متوجہ کرتا ہے۔ امام ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں ایک خاص نکتہ بیان کیا ہے: ''ظاہر تر بات یہ ہے کہ یہاں زمانے (یعنی آخری رات) کو مغفرت کے سبب کی جگہ بیان کیا گیا ہے (حالانکہ وہ رات خود مغفرت کا سبب نہیں ہے) کیونکہ لیلۃ القدر بھی اپنی ظرفیت اور وقت کے اعتبار سے مغفرت کا سبب نہیں بلکہ وہ عبادت کا زمانہ اور وقت ہے اور عبادت ہی وہ اصل شے ہے جو مغفرت کا سبب ہے''۔

عید کی رات کو زندہ رکھنا

عید کی رات سے مراد چاند رات ہے۔ اگرچہ یہ رمضان کی رات نہیں بلکہ شوال کی پہلی رات ہے لیکن ایک حدیث میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے:

مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ لِلَّهِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ(سنن ابن ماجه ،قال البوصيري هَذَا إِسْنَاد ضَعِيف فيقوى بِمَجْمُوع طرقه)

''جو عیدین کی راتوں میں اللہ سے بدلہ پانے کی امید پر قیام کرے گا اس کا دل نہیں مرے گا جس دن تمام دل مر جائیں گے''۔ چنانچہ جمہور فقہاءِ کرامؒ، حضرات مالکیہؒ، فقہائے احنافؒ اور فقہائے شوافعؒ نے لیلۃ العیدین (دونوں عیدوں کی راتوں) کے قیام کو مستحب قرار دیا ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے موقوفاً نقل کی ہے:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْعِيدِ مُحْتَسِبًا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ حِينَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ

''جو عید کی رات میں اللہ سے بدلہ پانے کی امید پر قیام کرے گا اس کا دل نہیں مرے گا جب دل مر جائیں گے''۔ امام شافعیؒ اس پر یہ تبصرہ فرماتے ہیں:

''ان راتوں کی فضیلت کے بارے میں جو بیان ہوا ہے میں اسے فرض (یا لازم) نہ ہونے کی شرط کے ساتھ مستحب سمجھتا ہوں''۔

حضرت مجاہدؒ عید کی رات کے بارے میں فرماتے ہیں: ''عید الفطر کی رات اپنی فضیلت میں آخری عشرے کی راتوں کی طرح ہے'' (مختصر قیام اللیل وقیام رمضان محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي)۔ چنانچہ چاند رات کی اسی حکمتِ عبادت کے سبب امام احمد بن حنبلؒ نے معتکف کے لیے چاند رات مسجد میں بسر کرنا مستحب قرار دیا ہے۔ اگرچہ عید کا چاند نظر آنے پر مسنون اعتکاف پورا ہو جاتا ہے اور معتکف اپنے گھر جا سکتا ہے لیکن چاند رات بھی اعتکاف گاہ میں بسر کرنا مستحب ہے اور سلف صالحین سے ایسا کرنا منقول ہے چنانچہ موطا امام مالکؒ کی روایت ہے: ''امام مالکؒ فرماتے ہیں میں بعض اہل علم کو دیکھا کہ جب وہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے ہیں تو عید کی رات گھر والوں کے پاس نہیں لوٹتے یہاں تک کہ لوگوں کے ساتھ عید کی نماز ہی کے لیے نکلتے ہیں''۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: ''تابعین معتکف کے لیے مستحب قرار دیتے تھے کہ وہ عید الفطر کی (یعنی چاند) رات اعتکاف والی مسجد میں ہی بسر کرے'' (مصنف ابن ابی شیبہ)۔ ابو مجلزؒ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جس مسجد میں اعتکاف کیا کرو (چاند) رات بھی اسی میں بسر کیا کرو۔ آج جبکہ ہم رمضان میں زندہ ہیں اور ہمیں گوش ہوش سے سننا چاہیے کہ خبر رسول اللہ ﷺ کے بالکل عین مطابق منادی کی ندائیں بلند ہو رہی ہیں: ''اے نیکی کے چاہنے والے آگے بڑھ (ہمت کر) اور برائی کے چاہنے والے (برائی سے) پیچھے ہٹ''۔ پس جو کوئی اس حدیث کی تعلیم، نیکی میں سبقت اور گناہ سے پسپائی کی اختیار کیے رکھے گا تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ: ''اور اللہ تعالی رمضان میں بہت سوں کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے'' (ترمذی شریف)۔

رمضان کا مہینہ قریب ہے، اور اگر خدانخواستہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو نبی اکرم ﷺ کی جانب سے یہ بددعا ہمیں سامنے رکھنی چاہیے:

رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ(ترمذي شريف)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس پر رمضان آئے اور گزر جائے اس سے پہلے کہ وہ بخش نہ دیا جائے''۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

*****

رمضان اور دعا

سورۃ البقرہ میں رمضان کے احکام کے بیان کے درمیان دعا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرة:186)

''اے نبی جب آپ سے میرے بندے، میرے بارے میں پوچھیں تو بتا دیجیے کہ میں قریب ہی ہوں، ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ پکارے، پس چاہیے کہ وہ میری باتوں کو مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ ہدایت پا جائیں''۔ امام ابن کثیرؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''احکام صیام کے درمیان اس آیت مبارکہ سے خطاب کرنا گویا دعا میں محنت و اجتہاد کرنے کی راہنمائی کرنا ہے''۔ رمضان اور دعا کا تعلق کئی اعتبار سے ہے ایک تو یہ کہ روزہ اور اس کے متعلقات عبادت میں داخل ہیں جب کہ دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ روزہ انسان کی روحانی بیداری کا ذریعہ ہے اور جب انسان روزے اور متعلقہ عبادات کے اہتمام سے اپنی روح کو زندہ و توانا کرتا ہے تو اس کی روح اپنے رب سے لو لگاتی ہے اور اس کا اہم ذریعہ دعا ہے۔ رمضان المبارک کا خصوصی انعام قبولیت دعا ہے جس کا سلسلہ آغاز رمضان ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات ایک حدیث مبارکہ میں یوں بیان کی گئی:

إِنَّ أَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَلَا تُغْلَقُ إِلَى آخِرِ لَيْلَةٍ مِنْهُ (المعجم الأوسط)

''بے شک آسمان کے دروازے ماہ رمضان کی پہلی رات ہی میں کھول دیے جاتے ہیں اور پھر رمضان کی آخری رات تک ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا''۔ شارحین حدیث نے آسمان کے دروازے کھولے جانے کو دعاؤں کی قبولیت کے لیے ایک اشارہ قرار دیا ہے(تنویر شرح الجامع الصغیر،فیض القدیر)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عُتَقَاءَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ يَعْنِي: فِي رَمَضَانَ،وَإِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً(صَحيح التَّرْغيب وَالتَّرْهيب)

''بے شک اللہ کی طرف سے رمضان کے ہر دن رات میں بہت سے لوگوں کو دوزخ سے بچایا جاتا ہے اور بے شک رمضان کے ہر دن رات میں مسلمان کی دعا قبول کی جاتی ہے''۔ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ رمضان کا پورا مہینہ، اس کے دن اور اس کی راتیں، قبولیت دعا کے لیے ایک ظرف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ فضیلت تمام اوقات کو حاصل ہے البتہ بعض اوقات اور حالات میں قبولیت دعا کی اضافی فضیلت بیان کی گئی ہے جو درج ذیل ہیں:

سحری کی دعا

روزے کی ابتدا سحری سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی۔ اس لیے ہر روزے دار اس وقت بیدار ہوتا ہی ہے۔ سحری کا وقت چونکہ نصف یا تہائی رات کے بعد سے لے طلوع فجر تک کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت میں دعا و استغفار کی فضیلت ایک مسلمہ امر ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا مَضَى شَطْرُ اللَّيْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ يَنْزِلُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ حَتَّى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ (صحيح مسلم)

''جب آدھی رات یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے پھر فرماتا ہے، ہے کوئی مانگنے والا جسے میں عطا کروں، ہے کوئی دعا کرنے والا میں جس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی بخشش مانگنے والا ہے جس کی بخشش کر دی جائے اور یہ سلسلہ صبح پھوٹنے تک چلتا

رہتا ہے“۔اللہ تعالی نے اپنے خاص بندوں کی صفات میں بیان کیا:

﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ (آل عمران:17)

”صبر کرنے والے، سچ بولنے والے فرمانبرداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت استغفار کرنے والے“۔

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الزاريات:18-17)

”وہ رات کو تھوڑا سویا کرتے تھے اور سحر کے اوقات میں گناہوں کی بخشش مانگا کرتے تھے“۔ کثرت استغفار، رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے:

وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً (صحيح البخاري)

”اللہ کی قسم بے شک میں اللہ تعالی کی جناب میں یومیہ ستر بار سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں“۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ (صحيح مسلم)

”اے لوگو! اللہ کی جناب میں توبہ کرو، بے شک میں دن میں اس کی جناب میں سو سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں“۔ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَزِمَ الاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَحْتَسِبُ(رواه أبو داود)

”جو استغفار کو لازم پکڑے گا اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور اس کی ہر فکر و پریشانی دور کرے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکے گا“۔ یہاں ایک نکتے کی بات یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ استغفار کی کثرت، گناہوں کی معافی کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس کا بھی ذریعہ ہے اولاً تو اس لیے کہ تزکیے کا ایک حصہ گناہوں سے پاکی و معافی ہے اور اس کا ذریعہ استغفار ہے اور دوسرے یہ کہ کثرت استغفار، تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔امام ملا علی القاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکاۃ میں اس کی وضاحت فرمائی جس کی تفصیل یوں ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا مضمون اس آیت مبارکہ سے مماثل بلکہ کشیدہ و مقتبس ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾﴿ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:3-2)

”جو تقویٰ اختیار کرے تو اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا“۔ حدیث میں استغفار کرنے والے کے لیے جو بشارتیں بیان کی گئی ہیں وہی آیت مبارکہ میں تقویٰ کے لزوم پر بیان کی گئی ہیں۔یعنی استغفار اور تقویٰ دونوں کے حاصل ایک جیسے ہیں، اسی باہمی مناسبت سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ استغفار کا حاصل بھی تقویٰ ہے۔اس طرف اشارہ ایک دوسری حدیث سے بھی ملتا ہے کہ ایک صحابی رسول ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بہت بدزبانی کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دوزخ میں نہ جا پڑوں فرمایا:

فَأَيْنَ أَنْتَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ ؟ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (مسند احمد)

”استغفار کے معاملے میں تو کہاں کھڑا ہے (کتنا استغفار کرتا ہے) جبکہ میں تو دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں“۔ حدیث میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے سحری کھانے والے کو اللہ کی برکت و رحمت اور فرشتوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں:

السُّحُورُ أَكْلَةٌ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوهُ، وَلَوْ أَنْ يَجْرَعَ أَحَدُكُمْ جَرْعَةً مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ(مسند احمد)

”سحری کا کھانا برکت ہے پس اسے ترک نہ کرو چاہے ایک گھونٹ پانی ہی سے اس کا اہتمام کرو پس بے شک اللہ سحری کھانے والے پر برکتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں“۔ پس سحری کے بابرکت اور رحمت بھرے ماحول میں چاہیے کہ استغفار میں کثرت

کی جائے۔

حالت روزہ میں دعا

حالت روزہ میں انسان کو خصوصی طور پر دعا کی جانب متوجہ رہنا چاہیے۔ سیدنا ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
الصَّائِمُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ (مسند احمد)

''روزے دار کی دعا رد نہیں کی جاتی''۔ ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ: دَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ (شعب الایمان)

''تین دعائیں ایسی ہیں جو قبول کی جاتی ہیں: روزے دار کی دعا، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا''۔ یہی بات ایک دوسرے انداز میں یوں بھی فرمائی گئی:
ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ (سنن ترمذي)

''تین لوگوں کی دعا نہیں ٹالی جاتی امام عادل کی دعا اور روزے دار کی دعا یہاں تک کہ افطار کر لے اور مظلوم کی دعا''۔ ان احادیث میں تو روزے دار کی ان دعاؤں کی قبولیت کی بشارت ہے جو وہ روزے کی حالت میں کرے، چاہے نماز و عبادت کے اوقات میں چاہے اس کے علاوہ، لہذا روزے کی حالت میں دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

افطار کے وقت کی دعا

افطار کے وقت کی دعا کی بھی خاص اہمیت بیان کی گئی ہے:
لِلصَّائِمِ عِنْدَإِفْطَارِهِ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ (شعب الایمان)

''روزے دار کے لیے اس کے افطار کے وقت ایسی دعا ہے جو قبول کی جاتی ہے''۔ دوسرے اسلوب میں یہ بشارت یوں سنائی گئی:
إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ (سنن ابن ماجہ)

''بے شک روزے دار کو وقت افطار کے وقت ایسی دعا کا موقع ملتا ہے جو رد نہیں کی جاتی''۔ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دعا میں خوب محنت کی جائے بالخصوص افطار کے وقت، گھر والوں کو جمع کر کے دعا میں شریک کرنا چاہیے۔ ایک روایت میں وارد ہوا ہے:
كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو إِذَا أَفْطَرَ دَعَا أَهْلَهُ وَوَلَدَهُ وَدَعَا (شعب الایمان)

''جب افطار کا وقت آجاتا تو سیدنا عبداللہ بن عمر بن العاصؓ اپنے اہل و اولاد کو بلاتے اور پھر دعا فرماتے''۔

افطار کی دعائیں

ویسے تو افطار کے موقع پر ہر جائز دعا مانگی جا سکتی ہے لہذا زیادہ سے زیادہ دعائیں مانگنی چاہئیں۔ البتہ بعض مسنون و ماثور دعائیں بھی ہیں ان کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ معاذ بن زہرہؒ روایت کرتے ہیں، انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ:
أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ (سنن أبي داود)

''نبی کریم ﷺ جب افطار کرتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے عطا کیے رزق پر افطار کرتا ہوں''۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا کہ یہ دعا افطار کے بعد پڑھنی چاہیے۔ جیسے مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے: ''ابن الملک کہتے ہیں کہ یہ دعا افطار کے بعد پڑھنی چاہیے''۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک یہ دعا افطار کے موقع یعنی افطار سے قبل پڑھنی چاہیے۔ امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:

''حدیث معاذ بن زہرہؒ سے معلوم ہوتا کہ اس روایت میں بیان کردہ دعا افطار کے موقع پر پڑھنی چاہیے اور اسی طرح ہم نے جتنی بھی دعائیں اس باب

میں بیان کیں سب کا یہی حکم ہے''۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی یہی تحریر فرمایا کہ یہ دعا افطار سے قبل پڑھنی چاہیے (احکام رمضان ص ۸، بحوالہ تحفہ رمضان از حضرت تھانوی، گا باسنز صفحہ ۴۴)۔ المعجم الصغیر میں اس دعا سے قبل بسم اللہ پڑھنا بھی منقول ہے۔ اکثر محدثین نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن چونکہ کھانے پینے سے قبل بسم اللہ کی تاکید عمومی طور پر ثابت ہے تو اس عمومی تاکید کے تحت افطار سے قبل بسم اللہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اگرچہ صرف اس دعا پر اقتصار کیا جائے تب بھی حرج نہیں کیونکہ اللہ کا نام اس دعا میں بھی لیا جاچکا۔

تنبیہ: عوام الناس کے ہاں یہ دعا ان الفاظ میں مشہور ہو گئی ہے:

اللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ

''اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور تیرے رزق پر افطار کرتا ہوں''۔ امام ملا علی القاریؒ ان الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''لوگوں کی زبان پر مشہور ہو گئے ہیں، یہ مسنون دعا پر اضافہ ہے جس کا سنت و حدیث میں ثبوت نہیں ہے''۔ پس چاہیے کہ ان الفاظ کو بوقت افطار نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ اوپر سنن ابوداؤد کے حوالے سے بیان کردہ دعا ہی پڑھنی چاہیے۔ عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ (سنن أبي داود)

''رسول اللہ ﷺ جب افطار فرماتے تو درج ذیل دعا پڑھا کرتے تھے: پیاس چلی گئی، (بدن کی) رگیں تر ہو گئیں اور اجر پکا ہو گیا اگر اللہ نے چاہا تو''۔ امام ملا علی القاریؒ مرقاۃ میں لکھتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ یہ دعا افطار کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے''۔ کئی شارحین حدیث نے اس دعا کے بارے میں یہی لکھا کہ یہ بعد از افطار پڑھنی چاہیے۔ امام ابن الملکؒ فرماتے ہیں: ''یہ دعا افطار کے بعد پانی پی لینے کے بعد پڑھنی چاہیے'' (المفاتيح في شرح المصابيح)۔ اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ افطار کے بعد جلد ہی یہ دعا پڑھ لینی چاہیے، نہ یہ کہ انسان کھانے پینے میں مشغول ہو جائے اور بہت دیر کے بعد یہ دعا پڑھے بلکہ بہتر یہ ہے کہ افطار کے بعد جلد ہی یہ دعا پڑھ لی جائے۔

تنبیہ: امام شرف الدین النوویؒ نے الاذکار میں یہ تمام دعائیں بابُ ما يقولُ عندَ الإفْطَار کے تحت بیان کیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دعائیں افطار کے موقع پر بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملے میں توسع ہے اور جسے ہم نے بعد میں قرار دیا جسے پہلے پڑھنے کا ذکر کیا ہے اگر ان کی ترتیب آگے پیچھے ہو جائے تو کوئی بڑا حرج واقع نہیں ہوتا۔ ابن ابی مُلیکہؒ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ کو بوقت افطار یہ دعا پڑھتے سنا:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي (سنن ابن ماجہ)

''اے اللہ میں تیری اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو ہر شے پر چھائی ہے کہ تو میری بخشش فرمادے''۔ جب کسی کے پاس افطار کیا جائے تو درج ذیل دعا پڑھنی چاہیے:

أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وأَكَلَ طَعَامَكُمُ الأبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ المَلاَئِكَةُ (سنن أبي داود، الأذكار للنووي)

''تمھارے پاس روزے دار افطار کریں، تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور فرشتے تم پر دعائیں کریں''۔ مختلف روایات کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دعا عام ضیافت کے موقع پر بھی پڑھی جاسکتی ہے اور دعوت افطار پر بھی، جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح میں اس پر مفصل کلام دستیاب ہے۔

آدابِ ختمِ قرآن

تلاوت کے ایک دور کی تکمیل کے لیے جو اصطلاح ہمارے ہاں دور نبوی ہی سے رائج ہے وہ ختم قرآن ہے جیسا کہ احادیث میں اس کا ذکر آ جائے گا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ لفظ ختم ہماری اردو کا لفظ ہے جس کا معنی خاتمہ یا اختتام ہے اور اس سمجھ کی بنا پر وہ ختم قرآن کے لفظ پر اعتراض کرتے ہیں اور ختم کے بجائے لفظ 'تکمیل' پر زور دیتے ہیں، تو ابتدا ہی میں اس کی وضاحت ہو جائے کہ عربی زبان اور خود اردو لغت میں بھی لفظ ختم کا ایک معنی مکمل کرنا بھی ہے (دیکھیے نور اللغات، ۴۸۱،۲) تو ختمِ قرآن کے معنی ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کا ایک دَور مکمل کرنا!

جس طرح تلاوت قرآن کے آداب ہیں جو تلاوت کے فوائد، اجر و ثواب اور خوبصورتی میں اضافے کا ذریعہ بنتے ہیں، اسی طرح ختم قرآن کے بھی آداب ہیں جو اجر و ثواب میں اضافے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ کئی علماء نے اس موضوع پر کلام کیا ہے۔ امام نَوَویؒ نے اپنی کتاب ''الأذکار'' میں ''فصل في آداب الختم وما يتعلق به'' کے زیر عنوان قرآن کریم کے دَورِ تلاوت کی تکمیل پر نفیس کلام کیا ہے۔ اسی طرح امامِ مذکورؒ نے 'التبیان' میں بھی اس موضوع پر کلام کیا ہے، انھی کے افادات کی روشنی میں یہ مضمون ترتیب دیا جا رہا ہے۔ البتہ نقل روایات میں وسعت برتتے ہوئے ہم نے دیگر مصادر سے بھی رجوع کیا ہے۔

تکمیل دور قرآن نماز میں

امام صاحب فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کی تکمیل کسی نماز میں کرنا زیادہ مستحب ہے۔ اس کے لیے انھوں نے درج ذیل حدیث پیش کی ہے:

قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ (شعب الإيمان)

''نماز میں قرآن کی تلاوت کرنا نماز کے بغیر تلاوت کرنے سے افضل ہے''۔ اگر قرآن کی تکمیل نماز تراویح وغیرہ میں ہو رہی ہے تو ظاہر ہے وہ نماز ہی میں مکمل کیا جائے گا لیکن اگر نماز کے بغیر انفرادی تلاوت کی جا رہی ہے تب بھی مستحب یہی ہے کہ آخر قرآن میں سے کچھ حصہ کسی بھی، سنت یا نفل نماز میں مکمل کیا جائے بشر طیکہ وہ وقت نفل پڑھنے کے لیے ممنوع نہ ہو۔ اس کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ختم قرآن فجر اور مغرب کی سنتوں میں کر لیا جائے۔ تابعی محمد بن جُحادۃؒ بیان کرتے ہیں کہ: ''وہ (صحابہؓ یا تابعینؒ) اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جب قرآن کی تکمیل رات کو کریں تو مغرب کے بعد والی رکعتوں میں اس کی تکمیل کریں اور جب دن میں اس کا ختم کریں تو فجر سے پہلے والی رکعتوں میں اسے مکمل کریں (مختصر قيام الليل وقيام رمضان محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي)۔

اگر تکمیل تلاوت قرآن، نماز کے لیے مکروہ وقت میں ہو رہی ہے تو پھر اختیار ہے چاہے تو ختم کو موخر کر لیا جائے یا پھر نماز کے بغیر ہی ختم کر لیا جائے، چونکہ یہ مستحبات کا دائرہ ہے اس لیے نہ تو خود پر سختی کرنی چاہیے اور نہ ہی دوسروں پر بس حتی الامکان بہتری کی کوشش کرنی چاہیے۔

تکمیل قرآن دن یا رات کے ابتدائی حصوں میں

آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ختم قرآن پر فرشتے دن یا رات کے دوسرے سرے تک تلاوت کی تکمیل کرنے والے کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ ختم قرآن رات کے ابتدائی حصہ میں کیا جائے یا دن کے ابتدائی حصہ میں، پس اگر رات یا دن کے ابتدائی حصے میں تکمیل کر لی جائے تو فرشتوں کی مقدس دعائیں زیادہ حاصل ہوں گی بہ نسبت رات یا دن کے درمیانی حصے میں تکمیل سے۔ یہ طریقہ بعض صحابہؓ سے منقول ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:

إِذَا وَافَقَ خَتْمُ الْقُرْآنِ أَوَّلَ اللَّيْلِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتَّى يُصْبِحَ ، وَإِنْ وَافَقَ خَتْمُهُ آخِرَ اللَّيْلِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتَّى يُمْسِيَ ، فَرُبَّمَا بَقِيَ عَلَى أَحَدِنَا الشَّيْءُ

فَيُؤَخِّرُهُ حَتَّى يُمْسِيَ أَوْ يُصْبِحَ (سنن دارمي و قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ: هَذَا حَسَنٌ عَنْ سَعْدٍ)

''جب کوئی شخص قرآن رات کے ابتدائی حصے میں ختم کرے اس پر فرشتے دعائیں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور اگر اس کا ختم رات کے آخری حصے یعنی (صبح) کو ہو جائے تو تو فرشتے شام تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہم میں سے کسی شخص کا ختم جب قریب ہوتا تو وہ کچھ قرآن کو باقی رکھتا یہاں تک کہ صبح یا شام نہ آجاتی اور پھر وہ اس کی تکمیل کرتا''۔ سیدنا انسؓ کا طرز عمل بھی اسی طرز کا تھا:

كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِذَا أَشْفَى عَلَى خَتْمِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ بَقَّى مِنْهُ شَيْئاً حَتَّى يُصْبِحَ فَيَجْمَعَ أَهْلَهُ فَيَخْتِمَهُ (سنن دارمي، باب في ختم القرآن)

''سیدنا انس بن مالکؓ جب رات کو ختم قرآن کے قریب پہنچتے تو قرآن کا کچھ حصہ صبح کے لیے چھوڑتے پھر وہ صبح اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے ان کے سامنے قرآن ختم کرتے''۔ عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں:

إِذَا كَانَ الشِّتَاءُ فَاخْتِمِ الْقُرْآنَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَإِذَا كَانَ الصَّيْفُ فَاخْتِمْهُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ (مختصر قيام الليل وقيام رمضان محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي

''جب سردیوں میں قرآن کی تکمیل کرو تو رات کے اول حصے میں کیا کرو اور جب گرمیوں میں قرآن کے دور کی تکمیل کرو تو دن کے پہلے حصے میں ختم کیا کرو''۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرمان سے یہ معلوم ہوا تھا کہ دن یا رات کے اول حصے میں تکمیل کرنے سے پورے دن فرشتوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں۔ عبداللہ ابن مبارکؒ نے اس میں تفصیل بتادی کہ چونکہ سردیوں کی رات بڑی ہوتی ہے اس لیے رات کے اول حصے میں تکمیل ہو گی تو فرشتوں کی دعائیں زیادہ وقت تک کے لیے حاصل ہوں گی اور گرمیوں میں چونکہ دن بڑے ہیں اس لیے دن کی ابتدا میں ختم قرآن ہو جائے تو اس میں فرشتوں کی دعا زیادہ عرصہ ملتی رہے گی۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نیکی اور ثواب کے معاملے میں کتنے حریص اور باریک بین تھے کہ ذرہ برابر کوتاہی نہ کرتے تھے، آج ہمارے ہاں بھی بالکل ایسا ہی ہے لیکن افسوس دین کے بجائے دنیا کے معاملے میں!

روزے کا اہتمام

امام نوویؒ 'التبیان' تحریر فرماتے ہیں: ''ختم قرآن کے دن روزے کا اہتمام مستحب ہے الا یہ کہ ختم قرآن کسی ایسے دن پیش آرہا ہو جس دن کا روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہو، صحیح طور پر ثابت ہے کہ طلحہ بن مصرفؒ، مسیب بن رافعؒ، اور حبیب بن ابی ثابتؒ وغیرہم ختم قرآن کے دن روزہ رکھا کرتے تھے''۔ اگرچہ امام نوویؒ نے کسی قسم کی دلیل نقل نہیں فرمائی لیکن کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح رمضان ہی میں قرآن کا نزول شروع ہوا ہے، اور رمضان ہی کی ایک رات لیلۃ القدر میں قرآن کا نزول سمائے دنیا پر ہوا اور جس طرح نبی اکرم ﷺ رمضان میں اس کا دور فرمایا کرتے تھے تو ان باہمی مناسبتوں کی وجہ سے مستحب ہے کہ غیر رمضان کے ختم قرآن کو روزے کے اہتمام سے رمضان کے مشابہ بنایا جائے۔

امام نوویؒ نے جن بزرگوں کے نام لیے ان میں ابن رافعؒ کے بارے میں یہ روایت امام ابن حبانؒ نے الثقات میں نقل کی ہے:

عَن الْمسيب بن رَافع أَنه كَانَ يخْتم الْقُرْآن فِي كل ثَلَاث ثمَّ يصبح الْيَوْم الَّذِي يخْتم فِيهِ صَائِما (الثقات)

''مسیب بن رافع ہر تین دن میں ایک قرآن مکمل کیا کرتے تھے اور جس دن قرآن ختم کرتے اس دن روزے سے ہوا کرتے تھے''۔

ختم قرآن پر دعا کا اہتمام

ختم قرآن کے موقع پر دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، امام نوویؒ التبیان میں رقم فرماتے ہیں: ''ختم قرآن کے بعد دعا کرنا بہت زیادہ تاکید کے ساتھ مستحب ہے''۔ اس لیے کہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے سیدنا عرباض بن ساریہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى صَلَاةَ فَرِيضَةٍ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ (رواه الطبراني)

''جس نے فرض نماز ادا کی اس کی دعا قبول کی جائے گی اور جس نے قرآن کی تلاوت کی تکمیل کی اس کی دعا بھی قبول کی جائے گی''۔ ثابت

البنانیؒ روایت کرتے ہیں کہ :
كَانَ أَنَسٌ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ جَمَعَ وَلَدَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ فَدَعَا لَهُمْ (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد، الدارمي، وحلية الأولياء، التبيان للنووي)
''سیدنا انس بن مالکؓ جب تلاوت قرآن کا دور مکمل کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کر کہ ان کے لیے دعا فرمایا کرتے''۔ابراہیم التیمیؒ سے روایت ہے:
قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ: مَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ۔ قَالَ: فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ إِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ جَمَعَ أَهْلَهُ ثُمَّ دَعَا وَأَمَّنُوا عَلَى دُعَائِهِ(فضائل القرآن للقاسم بن سلام : أبو عُبيد القاسم بن سلاّم بن عبد الله الهروي البغدادي)

''عبد اللہ ابن مسعودؓ جب قرآن ختم کرتے تھے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور دعا کرتے جبکہ گھر والے ان کی دعا پر آمین کہا کرتے تھے اور آپؓ فرمایا کرتے تھے جو شخص قرآن ختم کرے اس کے لیے یہ مقبول دعا کا موقع ہے''۔امام بخاریؒ کا معمول نقل ہوا: ''آپؒ رمضان میں افطار کے وقت ختم قرآن کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے(عند كل الختم، دعوة مستجابة)ہر ختم قرآن کے موقع پر ایک دعائے مستجاب انسان کو نصیب ہوتی ہے(تاریخ بغداد، صفة الصفوة)۔تکمیل قرآن کی محفل میں شرکت کرنے کے بارے میں امام نوویؒ التبیان میں تحریر کرتے ہیں: ''ختم قرآن کی مجلس میں شرکت کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے اس کے لیے بھی جو پڑھنا جانتا ہے اور اس کے لیے بھی جو اچھی طرح پڑھنا نہیں جانتا''۔قرآن پاک کی تلاوت اور درس و تدریس کی محافل پر فرشتوں کا حاضر رہنا اور اللہ کی خصوصی رحمت وسکینت کے نزول کی احادیث مشہور و معروف ہیں۔پس وہ تمام احادیث جن میں مندرجہ بالا امور کا ذکر ہے وہ تکمیل قرآن کے موقع کی برکات پر بھی دلالت کرتی ہیں۔حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ :''وہ(صحابہ کرامؓ یا تابعینؒ) ختم قرآن کے موقع پر جمع ہوا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم قرآن کے موقع پر اللہ کی خصوصی رحمت کا نزول ہوتا ہے''(الاذکار)۔امام ابن حجر عسقلانیؒ نتائج الافکار میں تحریر کرتے ہیں کہ مجاہدؒ نے فرمایا:''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ختم قرآن کے موقع پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے''۔چنانچہ عبد اللہ ابن عباسؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ ختم قرآن کے موقع پر حاضری کو پسند کرتے تھے۔حضرت قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ :''مدینہ میں ایک قاری تلاوت کیا کرتا تھا پس عبد اللہ ابن عباسؓ کسی شاگرد کی ذمے داری لگاتے کہ جب اس کا ختم ہونے لگے تو ہمیں اطلاع کرنا، جب اطلاع ملتی تو فرماتے چلو ہمارے ساتھ تاکہ ہم ختم قرآن کے موقع پر حاضر ہو جائیں''(فضائل القرآن ابن الضريس الرازي)۔تابعینؒ کا بھی اس طرح کا عمل رہا ہے چنانچہ حکم بن عُتَيْبَہؒ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہدؒ نے میری طرف یہ پیغام بھجوایا:''ہمارا ختم قرآن کا ارادہ ہے اس لیے آپ کو دعوت دیتے ہیں کیونکہ کہا جاتا ہے ختم قرآن کے موقع پر دعائیں قبول ہوتی ہیں، پھر آپ اس موقع پر مختلف دعائیں مانگا کرتے تھے''(فضائل القرآن أبو بكر جعفر الفِرْيابِي)۔ایک دوسری روایت میں حکم فرماتے ہیں:''حضرت مجاہدؒ اور عبدة بن لبابہؒ اور دوسرے لوگ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جب ختم کا ارادہ کرتے تھے ہمیں بلا بھیجتے اور کہتے ہمارے پاس آؤ کہ ختم قرآن کے موقع پر رحمت کا نزول ہوتا ہے''(تفسیر قرطبیؒ)۔

ارتحال

ارتحال کا لفظی معنی عازم سفر ہونا ہے۔لیکن علوم قرآن کی اصطلاح میں ارتحال سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کا ایک دور مکمل کرتے ہی اگلا دور شروع کر لیا جائے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:''تکمیل قرآن کے بعد فوری طور اگلے دورِ تلاوت کی ابتدا کرنا چاہیے علمائے سلف اسی کو پسند کرتے تھے اور وہ اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(خَيْرُ الأَعْمالِ الحَلُّ وَالرِّحْلَةُ)سفر سے واپس آتے ہی روانہ ہو جانا بہترین اعمال میں سے ہے پوچھا گیا یارسول اللہ اس سے کیا مراد ہے فرمایا: (افْتِتاحُ القرآن وختمه)قرآن کے دور کی ابتدا کرنا اور اس کی تکمیل کرنا''(التبیان)۔سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے سوال کیا یارسول اللہ ! کون سا عمل افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا: (عَلَيْكَ بِالْحَالِّ الْمُرْتَحِلِ) تم حال ومرتحل کا عمل اختیار کرو،اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ حال ومرتحل سے کیا مراد ہے فرمایا:

صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَضْرِبُ فِي أَوَّلِهِ حَتَّى يَبْلُغَ آخِرَهُ، وَيَضْرِبُ فِي آخِرِهِ حَتَّى يَبْلُغَ أَوَّلَهُ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ (شعب الايمان، معجم الكبير)

''قرآن کی تلاوت کرنے والا جو اول قرآن سے تلاوت کرتا ہے یہاں تک کہ آخر تک جا پہنچتا ہے اور آخر سے دوبارہ ابتدا پر آجاتا ہے اور جب بھی سفر (یعنی تلاوت) کی تکمیل کرتا ہے دوبارہ ابتدا کر دیتا ہے''۔ سیدنا ابی ابن کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل نقل فرمایا ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَرَأَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ افْتَتَحَ مِنَ الْحَمْدِ ثُمَّ قَرَأَ مِنَ الْبَقَرَةِ إِلَى: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾، ثُمَّ دَعَا بِدُعَاءِ الْخَتْمَةِ (جامع البيان في القراءات السبع أبو عمرو الداني)

''جب رسول اللہ ﷺ سورہ الناس کی تلاوت فرما لیتے تو سورہ فاتحہ سے دوبارہ ابتدا فرما دیتے اور پھر سورۃ البقرہ کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ پر پہنچ جاتے اس کے بعد ختم قرآن کی دعا فرماتے''۔

درود شریف کا اہتمام

امام ابن القیم الجوزیہؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب جلاء الأفهام في فضل الصلاة على محمد خير الأنام میں ختم قرآن کے موقع کی دعا کا تفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''جب یہ دعا کا تاکیدی موقع ہے اور اس موقع کی دعا کے مقبول ہونے کی بھی امید دلائی گئی ہے تو پس یہ درود پاک کے لیے بھی ایک عمدہ موقع ہے''۔ اللّٰهمَّ صَلِّ على سَيِّدِنا مُحَمَّد!

پس ختم قرآن کے موقع پر بارگاہ نبوی ﷺ میں درود و سلام کا ہدیہ بھی ضرور پیش کرنا چاہیے اور یہ ایک طرح سے آپ ﷺ کی جناب میں شکر گزاری بھی ہے کہ آپ ہی کے واسطے سے ہمیں یہ قرآن پاک عطا ہوا۔

دعا کا مضمون

اس موقع پر تمام جائز دعائیں مانگی جاسکتی ہیں۔ اس حوالے سے امام نوویؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''الحاح اور آہ و زاری سے دعا کی جائے جامع قسم کی دعائیں مانگی جائیں اور دعا کا ایک بڑا حصہ آخرت کے بارے میں ہونا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ مسلمان عوام کی اصلاح اور فلاح و سلامتی نیز حکمرانوں کے لیے بھی نیکی و طاعات، اور اقامت (دینِ) حق کی توفیق کی دعائیں کی جائیں۔

*****